مولانا محمد اسحٰق صدیقی سندیلوی

حضرت شاہ جی

میری عمر اس وقت ایسی ہی کچھ سولہ سترہ سال ہو گی۔ طالب علمی کا زمانہ تھا۔ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ جی الحسنی البخاری لکھنؤ تشریف لا رہے ہیں۔ اور احاطہ شیخ شوکت علی مرحوم میں ان کی تقریر ہو گی۔ یہ وسیع احاطہ میرے مکان سے زیادہ فاصلہ پر نہیں تھا۔ یہاں دارالمبلغین کی طرف سے یکم تا دس محرم وعظ کے جلسے منعقد ہوتے تھے۔ جن کا خاص موضوع شہدائے اسلام کا تذکرہ ہوتا تھا۔ لیکن تقریروں میں ہر قسم کے اسلامی مضامین بیان کئے جاتے تھے۔ اور مسلمانوں کو دینداری اور تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت و ترغیب دی جاتی تھی۔ برصغیر کے مشاہیر علماء کو بلایا جاتا تھا۔ اور ان کے مواعظ حسنہ سے مسلمانان لکھنؤ مستفید ہوتے تھے۔ حضرت شاہ جی کو بھی اسی جلسہ میں مدعو کیا گیا تھا۔ اُن کی تقریر و خطابت کی شہرت تو لکھنؤ تک بہت پہلے پہنچ چکی تھی۔ ان کی تشریف آوری کی اطلاع پا کر پبلک ٹوٹ پڑی۔ میں بھی ذوق و شوق کے ساتھ پہنچا۔ ذرا سویرے ہی پہنچ گیا تھا۔ اس لئے ڈائس کے قریب ہی جگہ مل گئی۔ تقریر بھی سنی اور شاہ جی کو قریب سے دیکھا بھی۔ تقریر شروع ہوئی تو مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا۔ تقریر کیا تھی ایک سحر تھا جس نے چند گھنٹہ کے لئے کئی ہزار کے مجمع کو مدہوش کر دیا تھا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ رات چھوٹی ہوتی تھی۔ رات کے دس بجے تقریر شروع ہوئی۔ تقریر ختم ہوئی اور حضرت شاہ جی نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ دعا اس قدر رقت انگیز اور الحاح خیز تھی کہ "آمین" کی آوازوں میں بھی رقت و گریہ کا زیر و بم صاف محسوس ہو رہا تھا۔ ہم سننے والوں کا احساس یہ تھا کہ تقریر بہت جلد ختم ہو گئی۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ گزرا ہو گا۔ جب لوگوں نے گھڑیاں دیکھیں تو خبر ہوئی کہ دو بجکر کچھ منٹ آ چکے ہیں۔ اور کئی ہزار کا یہ مجمع چار گھنٹہ سے زیادہ ایک دوسرے عالم میں رہا۔ جہاں لے جا کر شاہ جی نے اسے زمان و مکان سے بے خبر کر دیا تھا۔

یہ پہلا موقع تھا جب میں نے شاہ جی کا نورانی چہرہ دیکھا تھا۔ اور ان کی تقریر سنی تھی۔ تقریر کی تاثیر و لذت تو قلب محسوس ہی کر رہا تھا۔ ان کے نورانی چہرے کی طرف بھی اک کشش محسوس ہوئی اور قلب کو ان کے ساتھ محبت و عقیدت کا ادراک ہوا۔ جس کا سبب غور کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ ان کے اخلاص اور ان کے دل کی تڑپ کا دل نے اور ان کے چہرے پر ظاہر ہونے والے نور ایمان کا ادراک آنکھوں نے کر لیا تھا۔

ان واقعات کو مدت دراز گزر چکی ہے۔ مگر حضرت شاہ جی کا تذکرہ ہوتا ہے تو محبت و عقیدت میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ کشش کی کیفیت میری طرح بہتوں نے محسوس کی۔ اور ہماری خوش نصیبی تھی کہ شاہ جی اس کے بعد کئی بار لکھنؤ تشریف لائے اور اہل لکھنؤ ان کی تقریر اور ان کی زیارت سے بار بار مستفید ہوئے۔

حضرت شاہ جی صرف صاحب دل نہ تھے بلکہ عالی دماغ بھی تھے۔ اور انکا صاحب بصیرت ذہن بھی ایک

امتیازی شان رکھتا تھا۔ ان کے مخالف اور دشمن بھی ان کی اعلیٰ درجہ کی ذہانت و فطانت کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے۔ کمال خطابت کی طرح ان کی سیاسی بصیرت بھی مشہور تھی۔ وہ تقسیم ہند کے خلاف تھے۔ انہوں نے تقسیم ہند کے جن اندوہناک نتائج و اثرات کی پیشین گوئیاں کی تھیں وہ حرف بحرف سچی ثابت ہوئیں۔

شاہ جی نے پاکستان میں مسلمانوں کے باہمی جدال وقتال اور خون خرابہ کی پیشین گوئی کی تھی۔ وہ ہم سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ دیکھنے والوں میں خاصی تعداد ان لوگوں کی ہو گی جنہوں نے شاہ جی کی زبان سے یہ بات سنی ہو گی۔

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ جی بخاری کا شمار ہندوستان کے صف اول کے سیاسی قائدین میں ہوتا تھا۔ ساری عمر وہ آزادی ہند کے لئے انگریزوں سے لڑتے رہے۔ لیکن ان کی سیاست خالصتہً دینی سیاست تھی۔ تحریک آزادی ہند میں حصہ لینے سے ان کا اصل مقصد یہ نہیں تھا کہ آزاد ہو کر ہندوستان بہت دولت مند ہو جائے گا یا اس کی صنعت و تجارت ترقی کر جائے۔ بلکہ انکا اصل مقصد اسلام کا فروغ، اور دینداری اور تقویٰ کو رواج دینا، دین کی حفاظت و اشاعت کرنا اور اس پر عمل کرنے میں مسلمانوں کا آزاد ہونا تھا۔ اگر تقسیم نہ ہوئی ہوتی تو حصول آزادی کے بعد وہ ملک میں اصلاح نفس اور حصول تقویٰ کے کام بھی اسی شدت کے ساتھ کرتے۔ جس شدت کے ساتھ انہوں نے آزادی حاصل کرنے کا کام کیا تھا۔ وہ ایک آزاد اور متحدہ ہندوستان بنانے کے لئے کوشاں تھے۔ اس کوشش کا اصل محرک اعلائے کلمتہ اللہ کا جذبہ تھا۔ جو دیندار سیاسی قائدین خصوصاً علماء اس وقت تقسیم ہند کے مخالف تھے۔ ان سب کو ظن غالب قرب بہ یقین تھا کہ متحدہ ہندوستان میں ہندو جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہوں گے۔ ان کا یہ یقین مبنی بر دلیل تھا اور تقسیم کے بعد کے حالات نے بتا دیا کہ ان کا یہ اندازہ بالکل صحیح تھا۔ حضرت شاہ جی بھی یہی یقین رکھتے تھے۔ اور یہی ایک وجہ ہے جس کی بناء پر وہ تقسیم کے مخالف اور متحدہ آزاد ہندوستان کے خواہشمند تھے۔ حضرت شاہ جی کا ایک واقعہ سنا کر مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ وہ واقعہ بہت نصیحت خیز ہے۔ اس لئے اسے لکھے بغیر قلم روکنے کو جی نہیں چاہتا۔

انگریزی دور تھا۔ حکومت انگلشیہ نے قتل کا ایک جھوٹا مقدمہ شاہ جی کے خلاف چلا دیا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ جس گواہ کی شہادت پر ثبوت جرم کا دارومدار تھا اس نے عدالت میں پہنچ کر اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کر لیا۔ اور صاف صاف کہہ دیا کہ پولیس نے دباؤ ڈال کر مجھے جھوٹ بولنے پر مجبور کیا تھا۔ مگر میرے ضمیر نے مجھے ملامت کی ایسے بڑے شخص پر بہتان باندھنا بہت ہی بری بات ہے۔ اس لئے میں اقرار کرتا ہوں کہ میرا سابقہ بیان غلط تھا اور حضرت شاہ جی اس جرم سے بالکل بری ہیں۔ یہ گواہ اگرچہ ہندو (لدھارام) تھا مگر شاہ جی کی شخصیت سے متاثر ہوا۔ اور سچی بات کہہ دی۔ شاہ جی باعزت طریقے سے رہا ہو گئے۔ اور مقدمہ کا جھوٹا ہونا سارے ملک پر ظاہر ہو گیا۔ حکومت برطانیہ اور پولیس سب کی نظروں میں ذلیل ہو گئی۔ رہائی کے بعد بہت سے لوگ حضرت شاہ جی کو مبارک باد دینے کے لئے آئے۔ شاہ جی کے گھر کا خاکروب بھی مبارک باد دینے آیا۔

جو بھی آتا تھا شاہ جی اس سے گلے ملتے تھے۔ مہتر نے دور سے کھڑے ہو کر مبارک باد دی اور قریب آنے کی اسے ہمت نہیں ہوئی۔ شاہ جی نے اسے بلایا تاکہ اس کے بھی گلے ملیں۔ مگر وہ تو اس اعزاز کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ کر اپنی جگہ کھڑا رہا۔ شاہ جی نے اس سے کہا کہ "میں مسلمان ہوں اور اسلام میں ذات پات کی اونچ نیچ کوئی چیز نہیں۔ سب انسان اللہ تعالیٰ کی نظر میں یکساں ہیں۔ اونچا صرف وہ ہے جو تقویٰ میں اونچا ہو۔ خواہ کسی نسل و قوم کا ہو"

یہ کہہ کر آگے بڑھے اور اسے گلے لگا لیا۔ وہ شکر گزار ہو کر چلا گیا۔ دوسرے دن مع اہل و عیال آ کر حضرت شاہ جی کے دست حق پرست پر مسلمان ہو گیا۔ شاہ جی کے اس قسم کے واقعات اور بھی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ جی کا ذہن فضیلت نسب کے تصور اور نسلی غرور و پندار سے بالکل پاک تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں کو ایمان نصیب ہو گیا۔ بلکہ یوں کہیئے کہ انسانی برادری کی معتد بہ تعداد کو جو جہنم کے کنارے پہنچ چکی تھی اور اس میں گرنے ہی والی تھی انہوں نے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔ اور جنت کے دروازے پر لا کھڑا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے مراتب و درجات جنت میں بلند فرمائے۔ دین اسلام اور انسانیت دونوں کی یہ کتنی عظیم خدمت انہوں نے انجام دی ہے۔

اخلاص اور للہیت انکا مزاج تھا۔ جو کچھ کرتے تھے رضائے الٰہی کے لئے کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے کبھی خواص یا عوام کسی کی بھی مخالفت کی پرواہ نہیں کی۔ ان کی بصیرت کا فیصلہ یہ تھا کہ تقسیم ہند اور پاکستان بننا مسلمانوں کے لئے مضر ہے۔ وہ آخر تک تقسیم کو روکنے کی کوشش کرتے رہے انہوں نے اس کی قطعاً پروا نہیں کی کہ عوام کی ایک بڑی تعداد بلکہ اکثریت ان سے اختلاف رکھتی ہے۔ وہ اپنے دور کے عظیم انسان تھے۔ ساری عمر انہوں نے اسلام کی خدمت و نصرت میں بسر کی۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہم سب اہل سنت کی طرف سے انہیں اس کا اجر جبر نیل عطا فرمائے۔ آمین۔

ختم رسالت کا مبلغ

بچھڑے ہوئے گو تجھ سے ہوا ایک زمانہ ۔۔۔ سینوں میں کھلے ہیں تیری یادوں کے چمن زار
تو ختم رسالت کا مبلغ ہے وہ جس پر ۔۔۔ اس ملک کے شاہد ہیں سبھی کوچہ و بازار
گلشن کی مہک تھی تیری ہستی کی عبارت ۔۔۔ بلبل کی چہک تھی وہ تیری خوبیٔ گفتار
کی تو نے سدا خرقۂ سالوس سے نفرت ۔۔۔ درویش تھا رکھتا تھا شہنشاہ کے آثار

مسعود تابش